عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاھی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماھنامہ غزالی

ربیع الثّانی ۱۴۲۹ھ/اپریل ۲۰۰۸ء

RegNo.P476

جلد:ششم

شمارہ: 8

فہرست

عنوان	صاحبِ مضمون	صفحہ نمبر
۱۔نماز (قسط۔۷)	حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ	۳
۲۔ سیرتِ طیبہ پر بیان (قسط۔۳)	ڈاکٹر فدا محمد صاحب	۷
۳۔صبح صادق و کاذب، ایک تحقیقی جائزہ (آخری قسط)	شبیر احمد کاکا خیل صاحب	۱۲
۴۔وقتِ دعا ہے	ہما خضر صاحبہ	۱۶
۵۔ایمان افروز	محمد سہیل ناصر صاحب	۱۹
۶۔حضرت شاہ رفیع الدینؒ کا امام مہدی کے لئے تحفہ	انجینئر نجیب الدین محمد صاحب	۲۱
۷۔Stimulus to Become a True Muslim	انور علی صاحب	۲۳
۸۔اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (قسط۔۲۴)	مفتی فدا محمد صاحب	۲۹

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

نماز (ساتویں قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

نوافل:

نوافل فرائض کا تکملہ، عبادت کی رونق، عبدیت کی بہار، للّٰہیت کا نشان، عبد و معبود کا مکالمہ اور تعلق و معرفت الٰہیہ کا ذریعہ وسبب ہے۔ فرائض کا کمال نوافل کے اہتمام سے میسر آتا ہے۔ نوافل جس قدر جاندار ہوں گے ان کا اثر فرائض پر مرتب ہوگا۔ قیامت میں بھی فرائض کی کمی نوافل سے پوری کی جائے گی۔ چنانچہ امام ترمذیؒ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ؛

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، کہ قیامت میں بندہ کے اعمال میں سب سے پیشتر نماز کا حساب ہوگا، اگر نماز صحیح ٹھہری تو فلاح ونجات پا جائے گا اور اگر نماز خراب نکلی، تباہ اور نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائے گا۔ اگر فرض نماز میں کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے کی نفلی نمازوں کو دیکھو اور فرائض میں جو کمی رہ گئی ہو وہ نوافل سے پوری کرو۔ پھر اس باقی اعمال کا فیصلہ بھی اسی اصول پر کیا جائے گا۔''

نوافل کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر سیدی الامام قدس سرہ طالبین کو ہمیشہ نوافل کے اہتمام و پابندی کا حکم فرماتے تھے۔ سنن موکّدہ اور مستحبہ کے علاوہ نمازِ تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین کی پیہم تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ مختلف طالبین کو ارقام فرماتے ہیں:

۱:۔ ''نمازِ پنجگانہ کے علاوہ حسب ذیل نمازوں پر حتی الامکان مداومت کیجئے۔ نماز تہجد، بعد مغرب چھ رکعت نفل، طلوع آفتاب کے بعد دو یا چار رکعت نفل، چاشت کے چار رکعت، نماز پنجگانہ کے بعد نوافل مسنونہ، نوافل اگر بعذر کبھی چھوٹ جائیں تو حرج نہیں۔''

۲:۔ ''تہجد کی آٹھ سے بارہ رکعتوں تک پڑھا کریں۔ اشراق کی چار اور اوابین کی چھ رکعات پڑھیں۔''

۳:۔ ''آپ نوافلِ اوابین چھ رکعت بعد سنتِ مغرب اور چار رکعت اشراق جب آفتاب کچھ نکل کر بلند ہو جائے۔ تہجد میں چھ رکعت سے بارہ رکعت تک نصف شب کے بعد پڑھا کریں۔''

۴:۔اشراق ضرور پڑھیں۔چاشت کی نماز بھی پڑھا کریں۔مغرب کے بعد اوابین پر قناعت کیجئے۔ہو سکے تو تہجد کی مداومت اختیار کیجئے۔“

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں؛

”دو باتوں کا خاص لحاظ رکھا جائے اول فرائض کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام،دوم نوافل مسنونہ اور اذکار کی کثرت،ان کے علاوہ ہر قسم کے گناہوں سے احتراز کا اہتمام رکھا جائے کہ دل میں تقویٰ کی کیفیت پیدا ہو۔“

نمازِ تہجد:۔

بندگی و عبدیت اطاعت و فرمانبرداری کے کمال کے ساتھ ذکرِ دائم و قیام اللیل طریق کا ضروری جزو ہے۔صلوۃ اللیل و تہجد اور پچھلی رات کی عبادت کے فیوض و برکات انوار و اثرات شب زندہ دار خاصانِ حق ہی جان سکتے ہیں۔نفس کی اصلاح اور قربتِ ربّ کے حصول میں شب بیداری اور صلوۃ اللیل کا خاصا حصہ ہے۔جس پر قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ؛

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلاً..(المزمل. ۱)

ترجمہ: بیشک رات کا اُٹھنا (نفس کے) کچلنے کے لئے بہت سخت ہے اور بات خوب سیدھا کرنے والا ہے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ٥ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَاۤءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ٥.(سجدہ. ۱۶،۱۷)

ترجمہ: ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں۔اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے ربّ کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لیے خزانہ غیب میں موجود ہے۔یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔

اور احادیثِ کثیرہ شاہد ہیں۔نمونتہً چند احادیث نقل کرتا ہوں۔

امام ترمذیؒ نے جامع میں،ابن ابی الدنیا نے کتاب التہجد ،ابن خثیمہ نے صحیح اور حاکم نے مستدرک میں ابوامامہ الباھلیؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

”علیکم بقیام اللیل فانه دأب الصالحین قبلکم و قربة الی ربّکم و مکفرة

للسیئات و منھاۃٌ عن الاثم.

ترجمہ: رات کے قیام کی پابندی کرو کہ یہ تم سے پہلے صالحین کی عادت وطریقہ ہے اور تمھارے پروردگار کی طرف قربت کا ذریعہ، خطاؤں کا محو کرنے والا اور گناہوں سے روکنے والا ہے۔

طبرانی اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ مزید آتے ہیں؛

”و مطروۃ للداءٍ عن الجسدِ.“

ترجمہ: اور جسم سے بیماری کو دور کرنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

”افضل الصلوۃ بعد الفریضۃ صلاۃُ اللیل.

ترجمہ: فرائض کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز (تہجد) ہے۔

عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے وقت مدینہ پہنچے جو میں نے آپ کی پہلی بات سُنی وہ یہ تھی؛

ایھاالنا س افشوا السلام و اطعموا الطعام و صَلُوہ رحام و صلو باللیل و الناس نیام تدخلوا الجنۃ بسلام.“

ترجمہ: اے لوگو! سلام (السلام علیکم کو لوگوں میں) پھیلاؤ اور (اللہ کے لیے) کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور جب لوگ سوتے ہوں اس وقت رات میں (تہجد کی) نماز پڑھو۔ (اور ان اعمال کی وجہ سے) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اسماء بنتِ یزیدؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ قیامت کے دن لوگ ایک ہموار میدان میں اکٹھے کئے جائیں گے اور (اللہ کی طرف سے) ایک منادی پکارے گا؛

”أین الذین کانوا تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع..

ترجمہ: کہاں ہیں وہ لوگ جو (تہجد کے لیے) اپنے پہلوؤں کو اپنے بستروں سے جدا کرتے تھے۔

پس وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ تھوڑے ہوں گے۔ پس وہ بغیر حساب جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد باقی سب لوگوں کے لیے حساب کا حکم دیا جائے گا۔

امام بخاری و مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ؛

''تم میں سے جب کوئی سو جاتا ہے تو شیطان اس کی گردن پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ لگاتے وقت کہتا ہے؛''رات کو دیر تک آرام سے سوتا رہ۔'' پس اگر وہ جاگے اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور پھر اگر وضو بھی کرلے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر نماز بھی پڑھ لے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔(اور شیطانی اثرات زائل ہوجاتے ہیں) اور تر و تازہ پاکیزہ نفسی کی حالت میں سویرا کرتا ہے۔(ابن ماجہ نے یہاں یہ الفاظ مزید لکھے ہیں کہ اسے خیر پہنچ چکی ہوتی ہے)، ورنہ خبیث النفسی اور سستی کی حالت میں صبح کرتا ہے۔(اور اسے خیر نہیں پہنچی ہوتی)۔

ابن خزیمہ نے صحیح میں اس کے بعد یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

فحلو عقد الشیطان و لو بِر کعتین

پس شیطان کی ان گرہوں کو کھولو، اگر دو رکعت ہی (تہجد کی) نماز پڑھ سکو۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص رات کو (نماز تہجد کے لئے) اُٹھے اور اپنی بیوی کو جگائے اور اگر اس پر نیند کا غلبہ ہو تو اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا دے کر اُٹھا دے اور دونوں اپنے گھر میں رات کے کچھ حصہ تک (نماز پڑھ کر) اللہ تعالیٰ کو یاد کریں تو اللہ تعالیٰ دونوں کو بخش دے گا۔''

حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جب کوئی شخص رات کو اُٹھے اور اپنی بیوی کو بھی اُٹھائے اور دونوں دو رکعت نماز (تہجد) پڑھیں تو دونوں اللہ تعالیٰ کے کثرت سے ذکر کرنے والوں اور والیوں میں لکھ دئے جاتے ہیں۔

(الترغیب والترھیب ص؛۴۲۹، جلد:۱ بحوالہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان اور حاکم میں بھی اس کے ہم لفظ روایات ہیں)

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نوافل میں نماز تہجد کی اس خصوصی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی پابندی اور اہتمام کی سب سے زیادہ تاکید فرماتے تھے۔ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں:

''تہجد اور ذکر یہ دونوں اس طریق کی ضروری چیزیں ہیں ان پر مداومت رکھئے''

(جاری ہے)

سیرتِ طیبہ پر بیان (تیسری قسط)

(رمضان ۱۴۲۸ھ بمقام ای ایم ای (E.M.E) کالج، راولپنڈی)

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

لٰہذا وہ نتائج عالم انسانیت میں وجود میں آئے ہیں ایک ہزار سال تک تو مسلمان دنیا کی غالب طاقت رہے ہیں اور ولڈ آرڈر چلاتے رہے ہیں ایک ہزار سال تک ساری دنیا آپ کی زیرنگوں رہی ہے اور آپ کی فوجیں اور آپ کے بحری بیڑے بحیرۂ روم میں اور سارے سمندروں میں چلتے رہے ہیں اور ساری دنیا کو حق وانصاف کا اور صلاح اور آشتی کا پیغام دیتے ہوئے ساری دنیا میں حق وانصاف کو قائم کرتے رہے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو مرکز سے حکم ہوا کہ اِس محاذ کو آپ خالی کر کے چلے جائیں اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے پاس رپورٹ کریں جب وہ جانے لگے تو جتنا ٹیکس اُس علاقے سے جزیہ کے طور پر لیا تھا اُس کو واپس کیا۔ جب واپس کرنے لگے تو لوگ آ کر روئے اور کہنے لگے کہ خدا کیلئے آپ اِس علاقے کو خالی کر کے نہ جائیں کیونکہ ہم اپنی عزت، اپنی حیاء، اپنا مال اور اپنی جانوں کو آپ کے ہاتھوں میں اپنے بادشاہوں سے زیادہ محفوظ پا رہے ہیں یہ وہاں کی عوام کا مطالبہ تھا کیونکہ قرآن نے اِس بات کا وعدہ کیا تھا کہ جب وہ زندگی وجود میں آ جائے گی تو اُس کے یہ نتائج ہوں گے۔

پھر آپ کی جدوجہد ہے۔ آپ کی جدوجہد جو ہے وہ تین درجوں میں قرآن نے بیان کی ہوئی ہے ایک کو قرآن نے کہا ہے جہادِ کبیر، ایک کو حدیث نے کہا ہے جہادِ اکبر اور ایک کو جہادِ اصغر۔ جہادِ کبیر کیا ہے؟ **وجاھدھم بہٖ جھاداً کبیراً**، آپ اِس قرآن کی دعوت کے ذریعے اِن کے ساتھ جہادِ کبیر کریں یہ مکہ میں آیت نازل ہوئی ہے اور آیت جب نازل ہوتی تھی تو اُسی وقت صحابہ کرامؓ عمل کرتے تھے اور مکہ میں کوئی لڑنا نہیں ہوا ہے پھر اِس آیت کا معنیٰ کیا تھا؟ اِس آیت کا معنیٰ قرآن پاک کی تعلیمات کے ذریعے سے لوگوں میں اصلاح کا کام کرنا، لوگوں کو دعوت دینا، دعوت الی اللہ دینا جہادِ کبیر ہے اور یہ حق کے پھیلاؤ کی بنیاد ہوتی ہے۔ دعوت وتبلیغ کا کام حق کے پھیلاؤ کی بنیاد ہوتی ہے اور یہ جہادِ کبیر ہے قرآن نے اِس کو جہادِ کبیر کہا ہے۔ آپ کی جدوجہد کا دوسرا پہلو جہادِ اکبر ہے۔ آپؐ ایک جہاد سے واپس آئے تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا **رجعنا من الجھاد الاصغر اِلا جھاد الاکبر** ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ گئے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ جہادِ اکبر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا نفس کے خلاف جہاد کرنا، اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا۔ کبر، حسد، کینہ، لالچ، ریا اپنے اندر سے دور کرنا۔ ہمدردی، خیرخواہی، اخلاص، قناعت، صبر، شکر یہ اپنے اندر پیدا کرنا۔ یہ گھر سے کوئی لے کر نہیں آتا ہے اِس کیلئے کوشش کرنی ہوتی ہے اور اصلاح نفس

آپ کی جدوجہد کا دوسرا پہلو ہے جس میں لگ کر، کوشش کر کے، دن رات لگا کر، پوچھ کر، اپنے لئے Guidance (رہنمائی) لے کر اصلاحِ نفس کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ تو ایک آدمی جو اسلام کو قبول کر لے گا دعوت الی اللہ سے، اُس کو مجاہدۂ نفس کے دوسرے میدان سے گزرنا پڑے گا تاکہ اُس کی شخصیت کی تعمیر ہو جائے۔ اب دیکھیں شخصیت کی تعمیر کے ایک دو چھوٹے چھوٹے واقعات آپ کو سنا دیتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے ایک کافر کو پچھاڑا جنگ میں، اور اُسے قتل کرنے والے تھے کہ اُس نے منہ پر تھوک دیا۔ آپ نے اُس کو چھوڑ دیا۔ وہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا بدلہ لینے کیلئے تو اُس نے تھوک ہی دیا اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ اُس نے پوچھا کہ آپ نے چھوڑ کیوں دیا ہے؟ انہوں نے کہا پہلے میں آپ کو اللہ کی رضا کیلئے قتل کر رہا تھا۔ جب آپ نے تھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا اور غصہ کیلئے مجھے قتل کرنا ہی نہیں تھا۔ اُوہو! اُس آدمی نے کہا یہ ایسا دین ہے میں تو اِس کو قبول کرنے کو تیار ہوں۔ اب یہ بنی ہوئی شخصیت تھی جس کو ضبطِ نفس حاصل تھا وہ رضاءِ الٰہی کیلئے تو کام کر رہے تھے نفس کے غصہ کیلئے کام نہیں کر رہے تھے۔ جبکہ ہمیں غصہ آتا ہے تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں قابو میں ہی نہیں رہتے۔ تو یہ اصلاحِ نفس ہے اور صحابہ کرامؓ کی تربیت حضورؐ نے کی۔ حضرت عمرِ فاروقؓ بازار میں گشت کر رہے تھے ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی اُس کو دُرا مارا۔ اُس نے آپ کو گالی دی آپ نے دُرا پیچھے کر لیا اُس کو دوسرا نہیں مارا۔ اُس نے کہا امیر المومنین! آپ نے دوسرا نہیں مارا۔ اُس نے کہا پہلے میں نے اللہ کی رضا کیلئے مارا گالی پر مجھے غصہ آیا اِس لئے میں نے دوبارہ نہیں مارا۔ یہ تربیت یافتہ شخصیات تھیں۔

تیسری بات پھر جس کو جہادِ اصغر کہا گیا ہے وہ لڑنا ہے۔ تین جنگیں بدر، اُحد، خندق ایسی ہوئی ہیں کہ یہ کافر تین سو میل چڑھ کر آئے ہیں، آپ نہیں گئے کیونکہ لڑنا اسلام کا بنیادی مقصد نہیں ہے اسلام کا بنیادی مقصد صلح، آشتی اور اصلاح ہے۔ اِس لئے آپ کو مجبور کیا گیا لڑنے پر تب آپ لڑے ہیں۔ جب آپ کو اِس بات کا اندازہ ہوا کہ یہ تو بہت بڑا مرکز فساد کا ہمارے خلاف کام کر رہا ہے۔ جب تک اِس کو پرامن طور پر ختم نہ کیا جائے، اس کو ٹھنڈا نہ کیا جائے یہ فساد تو چلتا رہے گا تو پھر آپ چوتھے نمبر پر لشکر لے کر فتح مکہ کے لئے گئے ہیں اور آپ لوگوں کی یہ جو انفنٹری ٹریننگ ہے اِن سے پوچھیں تو آپ کو بتائیں گے کہ کامیاب جرنیل کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ کم سے کم وسائل سے زیادہ سے زیادہ نتائج حاصل کرے۔ حضورؐ فتحِ مکہ کے لئے دس ہزار آدمیوں کے ساتھ گئے ہیں اور بغیر لڑے مکہ کو فتح کیا ہے اور جنگ کے کس اصول پر فتح کیا ہے، فنِ عسکری کے اُصول پر۔ آپ نے اپنے آپریشن کو اتنا Secret رکھا ہے اتنا خفیہ رکھا ہے کہ جس وقت آپ نے مکہ مکرمہ کے گرد گھیرا ڈالا ہے اُس وقت کفار کو پتہ چلا ہے کہ ہم گھیرے میں ہیں اور اُن کو اِس بات کا اندازہ ہوا کہ اگر ہم نکلتے ہیں تو لڑنے کے حالات ہی نہیں ہیں۔ جب آپ رات کو پہنچے ہیں تو آپ نے سب صحابہ سے فرمایا کہ ہر آدمی اپنی علیحدہ علیحدہ آگ جلائے۔ ابوسفیان جب نکلا اُس نے دیکھا کہ ساری وادی میں آگ

ہی آگ جل رہی ہے اس کو اندازہ ہوا کہ لڑنے کے تو کوئی حالات نہیں ہیں، جا کر مذاکرات کریں کوئی اپنے لئے اور مکہ مکرمہ کے لوگوں کے بچاؤ کی صورت کریں۔اس طرح بغیر لڑے آپ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا۔صرف ایک موجودہ جرول کے علاقے سے جدھر آج کل بابِ حدیبیہ ہے مکہ مکرمہ کا، حضرت خالد بن ولیدؓ اِدھر سے داخل ہو رہے تھے تو چند نوجوان آ کر لڑے ہیں تو انہوں نے پہلے حملے میں چودہ آدمیوں کو جو گرایا تو بس سارے چپ ہو گئے۔تو یہ وہ لڑے ہیں ورنہ حضور ﷺ نہیں لڑے ہیں، آپؐ کے صحابہ نہیں لڑے ہیں۔تو جس وقت باطل لڑنے پر آ جائے اور مرنے مارنے پر آ جائے تو اُس وقت پھر کمزوری، بزدلی نہیں دکھانی ہے۔پھر کمر باندھ کر اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہے اور اس کے آہنی پنجے کو مروڑنا ہے، اُس وقت پیچھے نہیں ہٹنا ہے۔اِس کو تو کہا ہے جہادِ اصغر، لیکن جس وقت قتال یعنی لڑنے کا عمل شروع ہو جائے تو دین کے سارے شعبے موقوف اور معطل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ لڑائی کا تقاضا اب یہ ہو رہا ہے کہ اگر نماز کی طرف جاتے ہیں تو آپ کا سارا آپریشن ناکامیاب ہو رہا اور ختم ہو رہا ہے اُس وقت آپ نماز کو چھوڑیں گے اپنے آپریشن کو جاری رکھیں گے کیونکہ قتال کے حکم نے نماز کے رکن کو موقوف کر دیا ہے۔غزوہ خندق میں چار نمازیں مسلمان نہیں پڑھ سکے ہیں۔کیونکہ اتنا سخت سٹریس تھا اور ٹینشن تھی جنگ کی، یہ چار نمازیں حضورؐ نے بعد میں قضا پڑھی ہیں اور غزوہ بدر سترہ رمضان المبارک کو ہوئی ہے اور بدر کے دن آپ نے صبح اعلان فرمایا کہ روزہ توڑ دیں اور سارے لوگ کھا پی کر تازہ دم ہو کر تیار ہو جائیں۔تو کچھ صحابہ کرامؓ ایسے مضبوط تھے کہ انہوں نے کہا کہ ہم لڑ بھی سکتے ہیں اور روزہ بھی رکھ سکتے ہیں، انہوں نے روزہ رکھا ہے اور لڑے ہیں۔جب جنگ ختم ہوئی آپؐ نے فرمایا آج روزہ توڑنے والے روزہ رکھنے والوں سے آگے نکل گئے کیونکہ روزہ توڑنے والوں نے حکم پر عمل کیا ہے اور روزہ رکھنے والوں نے اپنی مرضی پر عمل کیا ہے۔تو اصل بات جو ہے وہ حکم کو لینا ہے تو گویا روزے کا حکم موقوف ہوا، نماز کا حکم موقوف ہوا، کس وجہ سے قتال کی وجہ سے۔کیونکہ یہ اب وہ اہم چیز وجود میں آ گئی ہے جس کی وجہ سے باقی چیزیں موقوف ہو جاتی ہیں جب تک یہ مکمل نہ ہو جائے۔بنی اسرائیل کے واقعات میں آیا ہوا ہے کہ یوشع علیہ السلام جب ارضِ مقدس کو فتح کر رہے تھے بنی اسرائیل کیلئے تو ایسے حالات ہو گئے کہ اگر وہ جنگ کو جاری رکھتے ہیں تو عصر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جنگ کو ختم کرتے ہیں تو ساری کوشش رائیگان جاتی ہے۔اب ایک چیز کو بھی ترک نہیں کر سکتے ہیں، پہلی قوموں میں تفصیلی احکامات اتنے نہیں آئے ہوئے، تو انہوں نے دعا مانگی کہ یا اللہ اب اِس مشکل سے تُو ہی نکال۔تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ سورج کبھی نہیں رُکا ہے ہاں سورج رُکا ہے تو وہ یوشعؑ کیلئے رُکا ہے جب وہ ارضِ مقدس کو فتح کر رہے تھے کہ سورج کو اپنی جگہ پر روک دیا گیا اور انہوں نے ارضِ مقدس کو فتح کیا۔تو پھر سورج ڈھلا ہے انہوں نے عصر کی نماز پڑھی ہے پھر مغرب ہوئی ہے تو یہ آپ کی جدوجہد کا تیسرا پہلو ہے جو قتال ہے۔

آخری بات آپؐ کی جدوجہد کے اثرات اور نتائج ہیں۔ ہر ایک آدمی اِس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اِس پروگرام کو لانچ کرر ہا ہوں اِس کو چلا رہا ہوں اِس کیلئے میں کوشش کرر ہا ہوں اِس کے یہ نتائج ہوں گے۔ حضورؐ نے شروع زندگی میں ہی چند پیشن گوئیاں فرمائی ہوئیں تھیں، جب آپ ہجرت فرمارہے تھے اور سراقہ آپ کو پکڑنے کیلئے آرہا تھا سراقہ جب دو تین بار کی کوششوں سے ناکام ہوا تو اُس کو اندازہ ہوا کہ یہ تو کوئی مافوق الفطرت (Supernatural) شخصیت ہیں میں تو اِن پر قابو نہیں پا سکتا اور یہ جو پیغمبر اپنے آپ کو کہہ رہے ہیں سچ ہے۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ساری زمین پر چھا جائیں گے۔ تو اُس نے آگے آکر کہا کہ اے اللہ کے رسول مجھے امان دے دیں آپؐ نے امان دے دی۔ تو اُس نے کہا کہ جب آپ کو حکومت ملے گی تو اُس میں سے آپ مجھے حصہ دیں گے۔ تو آپؐ نے فرمایا نہیں، آپ ایمان قبول کریں اللہ کی رضا کیلئے۔ تو اُس نے ایمان قبول کر لیا جب اُس نے ایمان قبول کر لیا تو آپؐ نے فرمایا اے سراقہ میں تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ اُس وقت دو بڑے بلاک تھے، Roman Empire اور Persian Empire، کسریٰ فارس والے اور رومن اٹلی کی طرف والے تھے۔ دو بڑے بلاک تھے تو سراقہ ہکا بکا رہ گیا کہ وہ فارس کے بادشاہ کے ہاتھ والے کنگن؟ کہا ہاں! اُس بادشاہ والے کنگن۔ ایک موقع پر فرمایا کہ روم فتح ہوگا اور فارس فتح ہوگا اور حیرۂ یمن فتح ہوگا، تیسری بڑی مملکت جو اُس وقت تھی یہ حیرۂ یمن فتح ہوں گے۔ اور صحابہ کرامؓ سن رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے اور کفار اور مشرکین ہنس رہے تھے۔ منافقین کہہ رہے تھے کہ کھانے کیلئے تو کچھ ہے نہیں پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں اور پیغمبر اِن کا کہہ رہا ہے کہ روم فتح ہو رہا ہے، ایران فتح ہو رہا ہے اور حیرۂ یمن فتح ہو رہا ہے۔ یہ آپ نے پیشن گوئیاں فرمائیں اور ''البدایہ والنہایہ'' نے لکھا ہوا ہے کہ یہ اسی ترتیب سے فتح ہوئے ہیں جس طرح آپ نے فرمایا ہوا ہے۔ ایک دفعہ آپ نے بیٹھے ہوئے فرمایا کہ تم فلانے شہر میں داخل ہو رہے ہو اور اُس کو فتح کرر ہے ہو شاہی خاندان کے لوگ گرفتار ہو کر آرہے ہیں، شیما بنتِ نفیلہ (اُس وقت کی مشہور شہزادی) سفید خچر پر کالی چادر اوڑھے ہوئے آرہی ہے، یہ نہیں فرمایا کہ آجائے گی بلکہ جیسے آپؐ دیکھ رہے ہیں آرہی ہے ایک سادہ سے صحابیؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم اس شہر کو ایسے پائیں جیسے آپ فرما رہے ہیں تو کیا شیما میری ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا ہاں تیری ہوگی سبحان اللہ! خیر جس وقت عمرِ فاروقؓ نے فارس کو فتح کیا ہے تو خزانے آئے اور مسجدِ نبوی میں ڈالے گئے تو اُن کا وہ سونے کا گھوڑا جس پر کہ چاندی کی زین کسی ہوئی تھی ڈیکوریشن پیس تھا ایک وہ وہاں پر رکھا ہوا تھا، ایک چاندنی کی اُونٹنی کہ جس پر سونے کا پالان پڑا ہوا تھا اور وہ صندوقچی جس میں اتنے ہیرے ہوتے ہیں کہ اُس کو اٹھا کر بادشاہ کسی جگہ جائے تو وہ شاہانہ زندگی گزار سکتا ہے

وہ صندوقچی اور کسریٰ کا تاج جو ڈیڑھ من کا بنا ہوا تھا اور اُس کو تار کے ساتھ لگا کر نیچے سر اُس کے ساتھ لگا کر رکھتا تھا۔ یہ سارے خزانے جب ڈالے گئے تو عمرِ فاروق ؓ نے کہا کہ کسریٰ کے کنگن نکالو۔ انہوں نے کہا امیر المومنین اتنے ڈھیر میں سے کنگن کون نکالے گا؟ کہا اِس میں ہیں نکالو۔ انہوں نے اس میں ڈھونڈے۔ کہا نہیں ہیں۔ کہا اِس میں ہیں۔ نکالے گئے کنگن نکل کر آئے انہوں نے کہا سراقہ فلانے گڈریے کو لاؤ، سراقہ کو لایا گیا! اُس کو آپ نے وہ کنگن پہنائے بادشاہ کا وہ شاہی لباس پہنایا۔ بادشاہ کا عصا اُس کو ہاتھ میں دیا، سر پر تاج پہنایا، اِس کو کھڑا کیا پھر فرمایا کہ اِس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اے سراقہ میں تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں تو اِس بات کو پورا کرنے کیلئے میں نے یہ کیا ہے۔ تو یہ آپ کی پیشن گوئیاں تھیں۔ ایک دفعہ آپ فرما رہے ہیں کہ ایک عورت ہوگی صنعائے یمن سے چلے گی اور دوسرا سرا آپؐ نے بتایا وہاں تک جائے گی، نوجوان، خوبصورت، زیورات سے لدی ہوئی ہوگی اتنا امن وامان ہوں گا کہ اُس کو کوئی نہیں چھیڑے گا۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم کہتے ہیں میں آگے بیٹھا ہوا تھا اور ہمارا قبیلہ بنی طے اِس راستے میں تھا اور ہمارا ڈاکوؤں کا قبیلہ ہے تو میں سوچ رہا ہوں کہ یا اللہ یہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ یہ عورت گزر کر جائے گی۔ ہمارے ڈاکوؤں کے قبیلے پر بھی گزرے گی اِس کو کوئی نہیں چھیڑے گا یہ کیسے ہوگا؟ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے سوچا کہ حضورؐ فرما رہے ہیں تو ہو ہی جائے گا۔ کہتے ہیں حضرت عمرِ فاروق ؓ کے دور میں ایسی عورت آئی، گزری، قبیلے بنی طے پر گزری، سارا سفر کیا اور اُس کو کسی نے نہیں چھیڑا، تو یہ امن وامان ہے تو ہر تحریک کے نتائج تین ہوتے ہیں ایک امن وامان کا قیام، ایک معاشی آسودگی اور ایک قانون کی عملداری۔ تو امن وامان کا تو میں نے تذکرہ کیا ایسا امن وامان وجود میں آیا آپ کی جدوجہد، آپ کی تعلیمات پھیلنے کے بعد کہ تاریخِ عالم میں مثالی ہے۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاءاللہ ۱۹ اپریل بروز ہفتہ منعقد ہوگا۔ بیان مغرب تا عشاء ہوگا۔

صبح صادق اور صبح کاذب کے بارے میں

ایک علمی اور تحقیقی جائزہ (آخری قسط)

(شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہٗ)

ڈاکٹر صاحب سے E mail کے ذریعے جب رابطہ ہوا اور جب ان کو اپنے مشاہدات سے مطلع کیا تو ان کا جو جواب آیا وہ من وعن یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

To "Shabbir FRom "Khalid Shaukat" <shaukat@moonsighting.com>

Ahmad" <sshabir@yahoo.com>

Wed, 25 Jul 2007 08:17:16 -0400 (EDT)

wa alaikumus salam,

Yes, I read your email carefully and it shows exactly the same scenario that I have found both for Subh-Sadiq and Disappearance of red shafaq, For Subh-Sadiq my findings are similar to yours, and for Isha (Disappearance of red shafaq) between 12.5 and 16.5 degree). If you see my calculations for Islambad for example, it should reflect the same (more or less, but very close).See attached.

مسئلے کو زیادہ واضح کرنے کیلئے راقم اب چند سوالات کرنا چاہتا ہے۔اس مقالہ کی روشنی میں اس کے جوابات سے مسئلہ ان شاء اللہ بالکل واضح ہو جائے گا۔

1- کیا حدیث شریف کے مطابق صبح کاذب کی روشنی مستطیل ہوتی ہے یا مستطیر؟ متوقع جواب مستطیل

2- کیا حدیث شریف کے مطابق صبح صادق کی روشنی مستطیل ہوتی ہے یا مستطیر؟ متوقع جواب مستطیر

3- 18 درجہ زیر افق کی روشنی مستطیل ہوتی ہے یا مستطیر؟ متوقع جواب مستطیر

4- 15 درجہ زیر افق کی روشنی مستطیل ہوتی ہے یا مستطیر؟ متوقع جواب مستطیر

5- قوس کی شکل میں جو روشنی ظاہر ہوتی ہے وہ مستطیل کہلاتی یا مستطیر؟ متوقع جواب مستطیر

6- کیا 18 درجہ زیر افق کی روشنی قوس کی شکل میں ہوتی ہے یا لمبوتری؟ متوقع جواب قوس کی شکل میں

7- 18 درجہ زیر افق کی روشنی اگر مستطیر ہے تو پھر اس کو عندالحدیث صبح صادق کیوں نہ کہا جائے؟ جواب نمبر 3 کے

مطابق اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ صبح صادق ہے۔

جو روشنی ماہرین فلکیات کے نزدیک 18 درجہ زیر افق سے پہلے ظاہر ہوتی ہو اور ان کے مشاہدات میں وہ طولانی اور اہرام نما (Pyramid) ہو تو اس کو صبح کاذب سے کونسی چیز مانع ہے؟

جواب نمبر 1 کے مطابق اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ مستطیل روشنی ہوتی ہے اور مستطیل روشنی جو صبح صادق سے پہلے نظر آتی ہے از روئے حدیث صبح کاذب ہوتی ہے۔

18 درجہ افق کی مستطیر روشنی کو صبح صادق اور شفق ابیض ماننے پر اعتراض کرنے والوں کو شفق احمر کے چھ مہینے کے مشاہدات سے جو دھچکا لگا ہے اس کے وزن کو کم کرنے کے لئے وہ یہ اشکال لائے ہیں کہ شفق احمر کے مشاہدات مستند نہیں ہوتے بلکہ سورج کے غروب کے بعد تو ہر طرف سرخی سرخی نظر آتی ہے۔ وہ حضرات یہ بھول جاتے ہیں کہ جیسے صبح صادق کی ابتدا اہم ہے اس کا تسلسل نہیں اس طرح شفق ابیض کی انتہا اہم ہے اس سے پہلے اس کا وقوع قابل ذکر نہیں ہوتا۔ بعینہ شفق احمر کی بھی انتہا اہم ہے اس کے ابتدائی لمحات اہم نہیں ہوتے۔ شفق احمر کے غائب ہونے کے وقت یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ شفق احمر کیا ہوتا ہے اور باقی سرخی کیا چیز ہوتی ہے کیونکہ جو عارضی سرخی ہوتی ہے وہ اگر سورج کی روشنی کی وجہ سے ہو وہ تو شفق احمر کے غائب ہونے سے بہت پہلے ختم ہو چکی ہوتی ہے اور جو کسی اور عارض کی وجہ سے ہوتی ہے اس میں تبدیلی ان عوارض کی وجہ سے ہوتی ہے سورج کی روشنی کی وجہ سے نہیں اس لئے ان دونوں کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ چونکہ عملی مسئلہ ہے جو محض ایک دو روز کے مشاہدات کی بنیاد پر یہ نتائج حاصل کرنا چاہتے ہوں ان کو اس کا ادراک کیسے ہو؟

مسئلہ الحمد للہ صاف ہوگیا۔ بات واضح ہوگئی۔ حق کو قبول کرنا اور حق کی طرف رجوع کرنا ہمارے اکابر کا شیوہ رہا ہے۔ علمی تحقیقات میں ضد اچھی بات نہیں ہوتی۔ اس وقت یہ دعا ان شاء اللہ بہت مفید رہے گی۔ **اللّٰھم أرِنا الحق الحق و ارزقنا اتباعه و أرِنا الباطل باطل وارزقنا اجتنابه. اور یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علیٰ دینک یا مصرف القلوب صرف قلوبنا علیٰ طاعتک** ۔ یہ دعا راقم خود بھی اس نیت سے پڑھتا ہے۔ اللہ راقم کو بھی ہدایت سے نواز دے اور ہر اس شخص کو بھی ۔

آخر میں صرف اتنی گزارش ہے کہ اس تمام تفصیل سے جس نتیجے پر راقم پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ 18 درجہ زیر افق پر فجر مستطیر یعنی صبح صادق واقع ہوتا ہے اور اس سے کچھ پہلے صبح صادق کے متصل فجر مستطیل کا ظہور مناسب موسم اور مناسب حالات میں واقع ہوسکتا ہے۔

15 درجہ زیر افق پر بھی فجر مستطیر موجود رہتا ہے لیکن چونکہ 18 درجہ زیر افق پر فجر مستطیر کا پہلا لمحہ واقع ہوتا

ہے لہٰذا وہی صبح صادق کی ابتدا ہے اور اس میں اعتبار ابتدا کو ہے اس لئے صرف اس کا اعتبار کرنا چاہیئے۔ 15 درجہ زیر افق کے وقت کی کوئی شرعی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے جو راقم کہتا تھا کہ 15 زیر افق کا بھی خیال رکھا جائے وہ رفع نزاع کے لئے تھا کہ اختلاف سے اگر بچنا ممکن ہو تو یہ اولیٰ ہے لیکن اگر کسی مستحب کو واجب سمجھا جائے تو پھر اس کا ترک واجب ہو جاتا ہے اس لئے اس صورت میں کہ اس احتیاط کو زبردستی نافذ کروانے کی کوشش کی جارہی ہو اور اس کی وجہ سے اکابر کی شان میں نامناسب الفاظ تحریر کئے جارہے ہوں اور دوسری طرف روزہ چھوٹا اور عشاء جلدی کے عنوان سے نقشے چھاپ کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کئے جارہے ہوں، ایسی صورت میں اس احتیاط کی حقیقت کا واضح کرنا امت کا راقم پر قرض تھا جو اس مقالے میں ان شاء اللہ چکایا گیا۔ اب اس احتیاط کو ترک کرنے کے لئے کہا جائے گا تاکہ عوام و خواص کو اصل مسئلہ سمجھ میں آجائے۔ اس کے بعد خود اگر کوئی احتیاط پر عمل کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حرج تو فتنے میں ہے جس کا دور کرنا ضروری ہے۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس سے حضرت مفتی رشید احمدؒ کی جلالت شان کے خلاف کوئی بات نکالنے کی کوشش خبث باطن کی وجہ سے ہوگا کیونکہ یہ محض ایک عارض کی وجہ سے ہے۔ راقم کا اس سلسلے میں مسلک حضرت علامہ شامیؒ کے قول پر تبصرہ کرنے میں گزر گیا ہے۔ الحمدللہ ہمیں اپنے بڑوں نے حق کے لئے بڑے بڑے حضرات کے ساتھ اختلاف کا طریقہ سکھایا ہے اور ساتھ ہی ان کا ادب بھی۔ فقہی احکامات اسی طرح مرتب ہوئے ہیں۔ اس لئے ایک تو اختلاف کو مخالفت نہیں سمجھنا چاہیئے دوسرا یہ کہ اپنی رائے پر بلاضرورت بہت اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ دین خدا کا ہے اور ہم خدا کے لئے اس کی خدمت کریں گے اگر اس میں کہیں بھی ہماری نفس کی گندگی شامل ہوگئی تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا اور ہم محض ایک فتنہ بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ و ما علینا الا البلاغ. ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا و هب لنا من لدنک رحمة انک أنت الوهاب.

APPENDIX A

Zodiacal Light: It is a faint, roughly triangular shaped glow of light extending away from Sun. The spectrum of the zodiacal light is the same as the solar spectrum, reinforcing the deduction that it is merely sunlight reflected by dust in the plane of the planets. In September and October, because the ecliptic is more nearly perpendicular to the horizon at sunrise, the zodiacal light extends more nearly vertically from the horizon and we have a better opportunity to see it shortly before sunrise than when it lies along the horizon and is lost in the dust and haze of Earth's atmosphere.

The gegenschein is a faint spot of light in the sky, diametrically opposite

to the Sun. The fact that its spectrum is identical to that of Sun, like the zodiacal light, enforces the conclusion that we are seeing sunlight reflected from dust grains in the plane of the solar system. There have been reports that under very favorable viewing conditions the zodiacal light extends to the gegenschein. The gegenshein is even fainter than the zodiacal light -- fainter than the Milky Way -- so any additional light from Moon, street lights, or a nearby planet and any obscuring haze make it impossible to see this faint glow. You should begin looking for the zodiacal light before the beginning of astronomical twilight, the time when sunlight first begins to be in the sky. Astronomical twilight begins about 1 1/2 hours before sunrise, so if you are up a little before then, if the sky is clear, and you can get away from any lights, you might look to the east and try to locate this triangular glow of light extending up to 35 or 40 degrees from the horizon, slanting slightly to the right. Near the horizon it may be more than 15 degrees wide, narrowing to about 5 degrees, and under ideal conditions may be as bright as the brightest parts of the Milky Way. When seen early in the morning it is sometimes called the false dawn, followed later by the true dawn. RoyL. Bishop, writing for the Observer's Handbook, describes it as "a huge, softly radiant pyramid of white light with its base near the horizon and its axis centered on the zodiac."

H. C. van de Hulst has shown that the dust particles responsible for both of these phenomena must be about 0.04 inch in diameter and must be separated, on average, by about 5 miles. These particles form a very low density cloud of dust, coincident with the plane of the solar system. Sunlight absorbed by the particles is re-emitted as invisible infrared radiation. This reradiation causes the particles to spiral slowly into Sun, thus requiring continuous regeneration of the dust particles composing this cloud. Cometary dust and dust generated by collisions among the asteroids are believed responsible for the maintenance of the dust cloud producing the zodiacal light and the gegenschein.

وقت دعا ھے

(ہما خضر، سال چہارم، کبیر میڈیکل کالج، پشاور)

یوں تو اللہ تعالیٰ بہت ہی رحیم ہے، کریم ہے اور انسان پر مہربانیوں اور اکرامات کی بارش کرنے والا ہے۔ اُس کی کسی ایک نعمت کا بھی حق ادا کرنا اور ان کو شمار کرنا انسان جیسی عاجز اور بے بس مخلوق کے بس کی بات نہیں۔ انسان اس لائق ہی نہیں کہ اس کی کسی نعمت کے بارے میں سوائے کلماتِ شکر کے اور کچھ کہہ سکے۔ اللہ تعالیٰ کہ انہیں عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت دعا بھی ہے۔ دعا کہنے میں کتنا چھوٹا سا لفظ ہے لیکن اس کے کہنے میں ہی کتنا سکون ہے، کتنا اطمینان ہے۔ یہ چھوٹا سا لفظ اپنے اندر کتنی بڑی اُمید ہے، ویسی ہی اُمید جو کہ صدیوں سے پڑی بنجر زمین کو سیراب کرتی ہے، اندھیری رات کو سورج کی پہلی کرن دیتی ہے اور ایک بانجھ عورت کو اپنی گود بھر جانے کی امید دیتی ہے۔ انسان چاہے کتنا ہی مایوس کیوں نہ ہو جائے، تمام در اُس کے لئے بند ہی کیوں نہ ہو جائیں پھر بھی دعا کا در ہمیشہ کھلا رہتا ہے، آخری در، اب انسان ہی نہ کھٹکھٹائے تو یہ بہت کم ہمتی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑی شان والا ہے، بڑی عظمت والا ہے، بن مانگے بھی دیتا ہے اور مانگنے پر تو عطا کی حد کر دیتا ہے، بس سچی طلب ہونی چاہئے۔

دعا اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند کیوں ہے؟ اور کیوں ایک انسان کو دعا مانگنے پر وہ درجات حاصل ہو جاتے ہیں جو کہ دعا نہ مانگنے والوں کو باوجود کوشش کے بھی حاصل نہیں ہوتے؟ یہ اس لئے کہ دعا نام ہے خداوندِ کریم کے آگے عاجزی کرنے کا، اُس کے سامنے اپنی بے بسی، لاچارگی اور عبدیت کے اقرار کرنے کا اور عاجزی ہی وہ چیز ہے جو کہ اس خدائے برتر کے دربار میں نایاب ہے۔ اس کے دربار میں سب کچھ ہے سوائے عاجزی کے کیونکہ وہ بے نیاز ہے، بڑی شان والا ہے، بڑائی اُسی کے لئے خاص ہے اور کسی کے ساتھ نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو انسان کی یہ ادا بہت ہی پسند ہے۔ اگر دیکھا جائے تو انسان کی بھی یہی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے پاس نہیں ہوتی اس کی بہت قدر کرتا ہے اور بڑی خواہش کرتا ہے۔ بس اسی طرح عاجزی بھی خدا کے ہاں نایاب ہے اور اس کا صلہ بھی بہت بڑا ملتا ہے۔ تو پھر ہم کیوں محروم بن کر بیٹھے ہیں۔ وہ دئے جا رہا ہے، عطا کئے جا رہا ہے اور ہم مٹھی بند کئے بیٹھے ہیں، جھولیاں سمیٹ کر بیٹھے ہیں۔

افسوس کہ ہمیں تو اپنے رب سے مانگنے کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ ایک بچہ تو اپنی ماں سے مانگنا جانتا ہے

لیکن ہم انسان جن کے لئے اللہ تعالیٰ ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے، اپنے رب سے مانگنے کا طریقہ نہیں جانتے۔ جب بچے کو اپنی ماں سے کوئی چیز چاہیے ہوتی ہے تو وہ بار بار مانگتا ہے اور جب صرف مانگنے پر ماں نہیں مانتی تو رونا شروع کر دیتا ہے کیونکہ اسے اپنی ماں کی محبت اور شفقت پر پورا یقین ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی ماں اسے ایک بار دھتکار دے گی، دوسری بار منع کرے گی مگر تیسری بار تو وہ اس کی خواہش ضرور پوری کرے گی، جیسا کہ عام دیکھنے میں آتا ہے۔ جب ایک بچہ اپنی ماں کی محبت اور رحمت پر اندھا یقین رکھتا ہے تو پھر ہم اپنی رب کی رحمت سے کیوں مایوس ہو جائیں جو کہ انسان کے لئے ستر ماؤں سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم ایک بچے کی مانند رو رو کر اور گڑگڑا کر اپنے رب سے ایک بار نہیں، بار بار مانگیں اور اُس کی رحمت پر پورا یقین رکھیں کیونکہ اگر ہم ماں، جو کہ ایک انسانی رشتہ ہے، اُس کی رحمت پر اس قدر بھروسہ کرتے ہیں کہ اگر ساری دنیا ٹھکرا دے مگر یقین ہوتا ہے کہ ماں اپنے در سے کبھی بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گی۔ پھر ہم اپنے رب کی رحمت سے کیوں دل برداشتہ ہو جائیں جو کہ ہمارا مالک ہے، خالق ہے، ہمارا پالنے والا ہے اور جس نے ہمیں اپنی رحمت کی صرف ایک ہلکی سی جھلک ماں کی صورت میں دکھلائی ہے۔ پس یہ ہمارے ایمان و یقین کی کمزوری ہوتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ اگر ہم اس یقین کے ساتھ دعا مانگیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، بہت رحیم و کریم ہے، بہت سخی اور جواد ہے اور ضرور ہماری حاجت کو پوری کرے گا تو انشاء اللہ ہمیں کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا۔

اللہ تعالیٰ آدھی رات کے بعد آسمان پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور آسمان رحمتِ الٰہی کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے، ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا کہ وہ مجھ سے مانگے اور میں اس کی حاجت پوری کر دوں اور اس کو اپنی رحمت سے مالا مال کر دوں، ہے کوئی اپنے گناہوں پر پشیمان ہونے والا کہ وہ مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کے گناہ بخش دوں۔ اللہ تعالیٰ تو بار بار انسان کو پکار رہا ہے اور اپنی رحمت کو ہم پر نچھاور کرنا چاہتا ہے لیکن ہم اس سے مانگیں تو سہی، اُس سے سچے دل سے طلب تو کریں، خواہ ہم کتنے ہی گناہگار کیوں نہ ہو کیونکہ دعا کے لئے اہلیت شرط نہیں، وہ ہر ایک کی سنتا ہے۔ اگر کوئی سینکڑوں گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہو اور خدا کے خوف سے ایک آنسو بہا لے اور اپنے لئے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ اس طرح دھو

ڈالتے ہیں کہ جیسے اس سے وہ گناہ کبھی سرزد ہی نہیں ہوئے اور اُس پر اپنی رحمتوں کی بارش کر دیتے ہیں۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے

قطرے جو گرے تھے میرے عرقِ انفعال کے

حدیث شریف میں ہے کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدا سے مانگو۔ غرض کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ہمیں خدا سے مانگنی چاہئے، چاہے اُس کے حاصل کرنے پر ہم بظاہر قادر ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اتنا رحیم ہے کہ وہ انسان کی دعا کو کبھی بھی رد نہیں کرتا۔ دعا اگر قبول نہ ہو تو اُس کی جگہ اللہ تعالیٰ ہمیں اُس سے کوئی بہتر چیز عطا کر دیتا ہے، یا اُس کی وجہ سے آنے والی مصیبتوں اور بلاؤں کو ٹال دیتا ہے اور یا اُس دعا کو ہماری آخرت سنوارنے کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دعا کا جواب کبھی بھی نفی میں نہیں دیتا، دعا کی برکت سے ہمیں وہ ضرور کچھ نہ کچھ عطا کرتا ہے۔

بدقسمت ہے وہ انسان جس سے اللہ تعالیٰ دعا کرنے کی توفیق چھین لے۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک بہت ہی گناہگار شخص تھا۔ اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہاری قوم میں ایک ایسا شخص ہے جس پر میں عذاب نازل کروں گا اور وہ عذاب یہ ہے کہ میں نے اُس سے دعا کرنے کا حق چھین لیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے اُن کی قوم نے پوچھا کہ وہ شخص کون ہے تاکہ ہم اسے بستی سے نکال دیں۔ چنانچہ بستی والوں نے اُس شخص کو بستی سے نکال دیا۔ وہ شخص بہت عرصے تک صحراؤں میں پھرتا رہا اور اپنے گناہوں پر بہت روتا رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اُس کی آہ وزاری قبول کر لی اور اُس کو اپنے حق میں دعا کرنے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد وہ شخص مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی مغفرت فرما دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ میرے ایک محبوب بندے کے، جو کہ صحرا میں پڑا ہوا ہے، اُس کے کفن دفن اور جنازے کا اہتمام کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اُس شخص کو دیکھا تو پوچھا کہ یا اللہ! یہ تو وہی گناہگار بندہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ نہیں اب یہ میرا محبوب بندہ ہے کیونکہ اس نے مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور میں نے اس کی دعا قبول کر لی، پس ہمیں بھی چاہئے کہ ہر وقت اُس ذات پاک سے مانگتے رہیں، وہ بے نیاز ہے، کچھ خبر نہیں کب ہماری بھی سن لے اور کب ہماری زندگی میں بھی انقلاب آ جائے۔

دعا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، بس جب دل میں کوئی خواہش آئے، اُسی وقت اللہ تعالیٰ سے مانگ لینا چاہئے کیونکہ اگر طلب سچی ہو، نیت خالص ہو اور خواہش جائز ہو تو ہر وقت ''وقتِ دعا'' ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُس سے مانگنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

ایمان افروز

(محمد سہیل ناصر، ڈیرہ اسماعیل خان)

سن ۲۰۰۰ء کے سالانہ تبلیغی اجتماع میں میری خدمت پنڈال میں شعبہ تشکیل بیرون ممالک میں لگی۔ کم و بیش ۹۲ ممالک سے لوگ اجتماع میں شرکت کیلئے آئے تھے۔ میرے ساتھ خدمت میں ڈیرہ اسماعیل خان سے دو ساتھی اور بھی تھے۔ تشکیل کے کام سے فارغ ہونے کے بعد ہماری کوشش ہوتی تھی کہ ہم نومسلموں سے ملیں اور ان سے مسلمان ہونے کی کہانی سنیں۔ اسی کوشش میں ایک روز ہم برطانیہ کے ایک نومسلم سے ملے۔ تعارف کے بعد اس نومسلم نے اپنی کہانی سنائی کہ میں لندن کے ساتھ ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ میں لندن کے ایک پرائیویٹ (Private) تھیٹر میں فنکار کے طور پر کام کیا کرتا تھا۔ ایک دن تھیٹر کا مالک معمول کے مطابق ایک ڈرامہ لکھا ہوا لایا۔ ڈرامے کے نام کے آخر میں لفظ تھا فرشتہ بلال (Angle Bilal)۔ میں نام سن کر حیران ہوا اور تھیٹر کے مالک سے پوچھا کہ یہ "فرشتہ بلال" کون ہے اور اسے "فرشتہ" کیوں کہتے ہیں۔ مالک یہودی تھا اس نے بے دلی سے جواب دیا کہ یہ مسلمانوں کی ایک Holly Book (پاک کتاب) ہے اُسکا ایک Character (کردار) ہے۔

لیکن میری تسلی نہ ہوئی۔ میں نے بہت سے مسلمانوں سے اس بارے میں پوچھا کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا۔ اسی دوران میں نے قرآن پاک کے انگریزی ترجمے کا مطالعہ شروع کر دیا۔ بالآخر میری ملاقات ایک پاکستانی ڈاکٹر سے ہوئی جو ہمارے فلیٹ میں نیچے منزل میں رہتا تھا وہ لاہور کا رہنے والا تھا اور اس کے تبلیغ میں چار مہینے لگے ہوئے تھے، سنت کے مطابق داڑھی تھی اور ڈیوٹی کے بعد ہمیشہ سنت لباس میں رہتا تھا۔ اُسے میں نے سارا قصّہ سنایا اسلام اور مسلمانوں کے بارے پوچھا۔ اس نے مجھے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ میں نے اسے کہا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ اس نے کہا کہ مسلمان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور بس، بلکہ کلمہ پڑھنے کے بعد آپ کو یہ یہ کام کرنے ہوں گے اور اِن اِن کاموں سے بچنا ہوگا۔ میں نے کہا میں اسی طرح ہی کروں گا۔ وہ مجھے اگلے دن لندن کے ایک اسلامک سینٹر لے گئے۔ وہاں پر نمازِ جنازہ ہو رہی تھی، میت ایک اونچی میز پر پڑی تھی، میں چونکہ بنیادی طور پر تو فنکار تھا۔ میں اچھل کر اس میز کے نیچے بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر نے مجھے اشارہ سے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو اِدھر آ جاؤ میں واپس ڈاکٹر کے پاس آ گیا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے، ڈاکٹر نے بتایا کہ یہ نمازِ جنازہ ہو رہی ہے۔ نمازِ جنازہ کے بعد ڈاکٹر مجھے مولانا صاحب سے ملوایا اور سارا قصّہ سنایا۔ مولانا صاحب نے بھی وہ تمام باتیں بتائیں جو ڈاکٹر صاحب نے بتائیں تھیں کہ فلاں فلاں چیزوں سے بچو گے اور فلاں فلاں ضرور کرو گے۔ میں نے کہاں میں تیار ہوں۔

مولانا صاحب کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق میں نے غسل کیا پھر مجھے کلمہ طیبہ پڑھایا اور میرا نام

عبداللہ رکھا۔ظہر کا وقت تھا مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا۔مولانا صاحب نے فرمایا کہ آپ ساری نماز میں ''اللہ اکبر یا سبحان اللہ'' پڑھتے رہیں۔مولانا صاحب کے بتانے کے بعد میں نے نماز شروع کی تو مجھے اتنا سکون آیا جو میں الفاظ میں نہیں بیان کرسکتا اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں اور کتنے سجدے کیۓ۔سلام پھیرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ہنستے ہوۓ مجھے کہا عبداللہ یہ تمھاری مرضی نہیں ہے کہ چاہو تو دس رکعتیں پڑھو اور بیس سجدے کرو،میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے میں نے کہا ڈاکٹر صاحب آئندہ خیال رکھوں گا۔ابھی تو مجھے کچھ پتا نہیں چلا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں اور کتنے سجدے کیے۔مولانا صاحب نے مجھے عصر کی نماز کا طریقہ اور رکعتیں بتائیں۔پھر میں اور ڈاکٹر صاحب واپس فلیٹ روانہ ہوگئے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے فلیٹ چلے گئے اور میں خوشی خوشی عصر کی نماز کے انتظار میں اپنے فلیٹ میں بیٹھ گیا۔عصر کی نماز کا وقت ہوتے ہی میں نے نماز شروع کی جوں ہی میں نے نماز شروع کی تو دروازے پر دستک ہوئی،میں چونکہ نماز پڑھ رہا تھا اس لیے دروازہ نہیں کھولا۔میں نماز پڑھتا رہا اور دستک بھی مسلسل ہوتی رہی۔نماز مکمل کرنے کے بعد میں نے دروازہ کھولا تو سامنے میرا پڑوسی جو کہ یہودی تھا سامنے کھڑا تھا۔اس نے مجھ سے پوچھا سنا ہے تو مسلمان ہوگیا ہے؟میں نے کہا ہاں!میں مسلمان ہوگیا ہوں۔اس نے مسلمانوں کے خلاف بولنا شروع کیا کہ نعوذباللہ مسلمان جھوٹے ہوتے ہیں،نعوذباللہ انکا نبی جھوٹا تھا وغیرہ وغیرہ،میں نے غصّے سے دروازہ بند کیا اور اندر سے اسے کہا میں مسلمان ہوں اور مسلمان رہوں گا تم چلے جاؤ۔لیکن وہ میری بات نہیں سنتا تھا اور مسلسل مسلمانوں کے خلاف بول رہا تھا۔آہستہ آہستہ اسکی آواز کتے کی طرح ہونے لگی اور آخر میں بالکل کتے کی طرح بھونکنے لگا۔بھونکتے بھونکتے اس کی آواز کم ہوتی گئی اور پھر خاموش ہوگیا۔میں نے دروازہ کھولا تو وہ نیچے گرا ہوا تھا اور اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔میں نے فوراً ایمرجنسی سروس والوں کو اطلاع دی وہ اسے اٹھا کر لے گئے۔ایک سال کے مسلسل علاج کے بعد ڈاکٹروں نے اسے پاگل قرار دے دیا اور اسے پاگل خانے میں داخل کرادیا گیا۔

عبداللہ نے کہا کہ مسلمان ہونے کے بعد میں پاکستان آیا چار مہینے لگائے۔لیکن یہ بات کرتے ہوۓ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے میں نے پوچھا کیا بات ہے عبداللہ!تو اس نے کہا مجھے بہت افسوس ہے کہ میرے والدین عیسائی مرے اور سیدھے جہنم میں چلے گئے،میرے بہن بھائی عیسائی مرے اور سیدھے جہنم میں چلے گئے۔عبداللہ کی یہ بات سن کر مجھے بڑا دکھ ہوا۔اس بار اجتماع سے عبداللہ چلہ لگانے پاکستان آیا تھا۔عبداللہ کی کہانی سننے کے بعد میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہمارے پاس کتنی قیمتی دولت ہے ایمان کی۔لیکن ہم پھر بھی یہود و نصاریٰ کی طرز زندگی اپنانے پر فخر محسوس کرتے ہیں،ہائے افسوس!اللہ تعالیٰ ہی میری آپ کی اور سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور اسلام پر چلنے اور اسلام کو پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت امام مھدی کے لیے تحفہ

(خطبات حکیم الاسلام سے انجینئر نجیب الدین محمد صاحب کا انتخاب)

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبی (خانہ کعبہ کے کنجی بردار) کو بلایا اور فرمایا
''شیبی! وہ وقت تجھے یاد ہے کہ (ہجرت مدینہ سے قبل) میں نے لجاجت سے التجا کی تھی کہ دو رکعت پڑھنے کی (خانہ کعبہ میں) اجازت دیدے، تو نے ڈانٹ دیا تھا۔ اب تیرا کیا حشر ہونا چاہیے۔''

اس پر شیبی نے ایک ہی جملہ کہا: اخ کریم و نبی کریم یعنی ایک کریم بھائی اور کریم نبی
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''اے شیبی! یہ کعبے کی کنجی تیرے حوالے کرتا ہوں، قیامت تک تیرے ہی خاندان میں رہے گی، کوئی دوسرا اسے حاصل نہیں کرسکے گا۔ آج سے تو اور تیرا خاندان قیامت تک کیلئے متولی ہے۔''

اس واقعے کے بعد عرب میں بیسیوں انقلابات ہوئے، حکومتیں بدلیں لیکن شیبی کا خاندان بدستور قائم ہے اور کعبہ کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، بلکہ مکہ کے آدھے بازاروں پر آج شیبی کا قبضہ ہے، اس کی دولت کی کوئی انتہا نہیں۔

اللہ والے بھی عجیب ہیں، یہ ہر بات سے اپنی آخرت کا فائدہ اٹھا لیتے ہیں، ایک شخص دنیا کا طالب ہو وہ ہیر پھیر کرکے پیسے کما لیتا ہے، اللہ والے ہیر پھیر کرکے دین اور آخرت کما لیتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ جو نقشبندیہ سلسلہ کے اکابر میں سے تھے، ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ آئے، وہی ان کی وفات ہوئی اور وہی دفن ہوئے، انھیں یہ حدیث معلوم تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبی کو بیت اللہ کی کنجیاں سپرد کی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں چاہے سارے خاندان اُجڑ جائیں مگر شیبی کا خاندان قیامت تک کیلئے باقی رہے گا۔ یہ انکا ایمان تھا اور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تھا، تو مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کو عجیب ترکیب سوجھی، واقعی ان بزرگوں کو داد دینی چاہیے کہ کہاں ذہن پہنچا۔

انہوں نے کہا جب یہ خاندان قیامت تک کیلئے باقی رہے گا تو اُس زمانے میں بھی موجود ہوگا جب

امام مہدی علیہ رحمۃ کا ظہور ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ ’’مہدی کا قرب قیامت میں ظہور ہوگا تو مکہ مکرمہ ہی میں ہوگا اور بیت اللہ شریف کی دیوار سے کمر لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے لوگ ان کے ہاتھ پر آکر بیعت کریں گے۔‘‘ اور اس وقت کی جو علامات بتلائی گئی ہیں وہ یہ کہ ’’پوری دنیا پر نصاریٰ کا قبضہ ہوگا، واسطہ بلاواسطہ پوری دنیا پر نصاریٰ کا اقتدار چھایا ہوا ہوگا۔ دوسری علامت یہ بیان فرمائی گئی۔ **ملئت الدنیا ظلما وجورا** یعنی پوری دنیا ظلم وستم سے لبریز ہوگی۔ دین و دیانت کا نشان باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں مہدی علیہ رحمۃ کا ظہور ہوگا۔ ملک شام کو وہ اپنا مرکز بنائیں گے اور مسلمانوں کی ساری قوت شام میں سمٹ آئیگی۔ دجال و مغربی طاقتوں سے مقابلہ ہوگا، ملحمہ کبریٰ واقع ہوگا یعنی سب سے بڑا جہاد اس زمانہ میں ہوگا اور تین معرکے ہونگے، لاکھوں آدمی اس میں قتل ہونگے یہ عظیم جہاد ہوگا۔ اس جہاد کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے مجاہدین کو وہ اجر ملے گا جو غزوہ بدر کے مجاہدین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو دیا گیا تھا۔‘‘

چنانچہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حمائل شریف اور ایک تلوار لی اور امام مہدی علیہ رحمۃ کے نام ایک خط لکھا کہ:

’’فقیر رفیع الدین دیوبندی مکہ معظّمہ میں حاضر ہے اور آپ (اپنے) زمانہ میں جہاد کی ترتیب کر رہے ہیں۔ مجاہدین آپ کے ساتھ ہیں جن کو وہ اجر ملے گا جو غزوہ بدر کے مجاہدین کو ملا تھا۔ رفیع الدین کی طرف سے یہ حمائل تو آپ کی ذات کے لیے ہدیہ ہے اور یہ تلوار کسی مجاہد کو دے دیجئے کہ وہ میری طرف سے جہاد میں شریک ہوجائے اور مجھے وہ اجر مل جائے جو غزوہ بدر کے مجاہدین کو ملا تھا۔‘‘

یہ خط لکھ کر تلوار اور حمائل شیبی کے سپرد کیں جو ان کے زمانہ میں شیبی تھا اور کہا کہ ’’تمھارا خاندان قیامت تک رہے گا اور مہدی علیہ رحمۃ کے ظہور تک یہ امانت ہے تم جب انتقال کرو تو جو تمھارا قائم مقام ہو اسے وصیت کر دینا اور اس سے یہ کہہ دینا کہ جب اس کا انتقال ہو تو وہ اپنی اولاد کو وصیت کرے کہ رفیع الدین کی یہ تلوار اور حمائل شریف اس زمانے میں جو شیبی ہو وہ میری طرف سے امام مہدی علیہ رحمۃ کو یہ دونوں ہدیے پیش کر دے، حمائل شریف ان کی ذات کے لیے تحفہ ہے اور تلوار امانت ہے کہ وہ میری طرف سے کسی مجاہد کو دے دیں تا کہ جب وہ جہاد میں شریک ہو تو میری بھی شرکت ہوجائے اور اس اجر میں میں بھی حصہ پالوں۔‘‘

☆☆☆☆☆☆☆

Stimulus To Become A True Muslim

(انور علی صاحب، طالب علم، خیبر کالج آف ڈینٹسٹری، پشاور)

I was born in a Muslim family in America with very little attachment to Islam. Neither my father, a native of Swabi, nor my mother, an American convert to Islam enjoined the prayer on me or tried to instill any love of the religion in me. My only connection to Islam in my youth consisted of infrequent visits to the Masjid (e.g. for Eid) and twice weekly lessons from a pious man from Bannu, who taught me the prayer, Arabic reading and the basics of Islamic beliefs.

Therefore, I lived my childhood and teenage years much like any other American youth, and I grew very far from Islam. But at the age of 19, I experienced an awakening. The events of September 11, 2001 and the change it brought about in the world made me realize that I didn't know anything about my religion, which was now being portrayed as the main source of evil in the world by the media. So, I decided to read a translation of the Qur'an; something I had never done before. I started from the beginning. Early in Surat-al-Baqarah, I came across verses describing the ways, thoughts, and sayings of the hypocrites. The description left me awe-stricken, as it perfectly described me, my ways, thoughts, and words. It was like someone had recorded my thoughts in writing. This scared me, and made me realize my error in ignoring the Deen, so I decided to make taubah and try to become the best Muslim I could be.

As time went on, I met some strong Muslim friends who had a powerful influence on me. Many of them often talked about traveling to Muslim countries to study the Deen. This idea was very attractive to me as well, but I knew my father would never support such a thing. But I felt a need to leave America and live among Muslims in a Muslim land, even if I was not to become an 'aalim. At that time, I was in my second year of college, and the situation on the campus was totally destructive for one's iman. The students were interested in nothing but partying. The Qur'an talks about how people can be at the level of animals, or even lower, and I felt these were the people who were meant. My desire to escape from this environment and to improve my Deen necessitated my moving to a Muslim country. So I made a compromise with my father that I would come to Pakistan, but instead of Islam, I would study dentistry.

In Pakistan, I found a place where Islam had so strongly ingrained itself into the society that it would be impossible to remove. I found no resistance to growing my beard or wearing a more Islamic dress. I found that women strictly observed pardah, and had much dignity and self-respect. I found a solid family structure, such that a man would give more respect to his older brother by a few years than an American would give to his mother or father. I came to love the sound of the adhaan, and the fact that even in my small village, I could hear more than 10 adhaans for each prayer. This was in contrast with living in America, where the nearest masjid was a 30 minutes drive away.

As I spent more time, I became impressed by the level of

religious work in the form of knowledge and da'wah that was being performed. Madaris were every where and the people had respect for them and the knowledge taught within them. After some months, I began to get involved with the tableeghi jama'at. My first experience was a 3-day trip to Raivend. There were people from all over the world, and their sole purpose was to please Allah. I was impressed by the simplicity of the food and living arrangement there. I was also very impressed by their organizational structure, and how jama'ats were being organized and sent all over the world, but those organizing it were bearded old men with notebooks.

In my subsequent trips in tableegh, I found a strong attachment and love for the Masjid. To spend a few days in the Masjid giving and hearing da'wah and not thinking about the world outside brought great peace to my heart. It is interesting to note, that in my experience with tableegh in America, I never found this feeling, and my time spent left me rather unchanged. It reminds me of something our Imam their told me, that when buzorgs come from Pakistan to America, they see the land as very dry and thirsty for the dhikr of Allah.

Later, through some friends, I became aware of silsilah of tassawuf which was based in Peshawar University, where I live. So I began to sit in their gatherings. I was very impressed by the character of the people there. When I looked in their eyes I saw no arrogance, selfishness or envy. Rather their eyes showed that they were very concerned, but not for this world. They seemed to be immersed in contemplation of and in preparation for the after life. As

I sat in their gatherings, I too began to think such thoughts. I became distracted from my mundane every activities by worries about how I will face when I stand in front of Allah. In their sessions of Zikr, I also found spiritual uplift. I felt that the best way for me to improve myself and secure my position on Judgment Day would be to be around such people in such an atmosphere with a guide who could teach me systematically how to overcome my weaknesses. Now I am still very far from my destination, but at least I hope I am on the right road, and traveling in the right direction.

The silsila of which I speak is one of the chishtiyya order. It is under the supervision and guidance of the respected Dr. Fida Muhammad Sahib (may he live long), Khalifa of the respected Mawlana Muhammad Ashraf Sulemani (May Allah's mercy be upon him), whose chain leads back to the widely renowned Hazrat Hakeem ul Ummat, mujadad ul Millat Mawlana Muhammad Ashraf Ali Thanvi (May Allah's mercy be upon him). The risala (Journal) you now hold in your hands is the official risala of this silsila. I pray that you find benefit there in. Amin!

ایک سچا مسلمان بننے کی تحریک

میری پیدائش امریکہ میں ایک مسلمان گھرانے میں ہوئی جس کی اسلام کے ساتھ بہت کم وابستگی تھی۔ نہ میرے والد صاحب نے، جو صوابی کے باشندہ تھے اور نہ میری والدہ صاحبہ نے، جو امریکی نومسلم تھی، مجھے نماز کی تاکید کی اور نہ میرے اندر دین کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لڑکپن میں میرا اسلام کے ساتھ واحد رابطہ مسجد کا عید کا کبھی کبھار کا جانا یا ہفتہ میں دو بار بنوں کے ایک نیک آدمی سے سبق پڑھنا تھا، جنہوں نے مجھے نماز، عربی پڑھنا اور اسلام کے بنیادی عقائد سکھائے۔

اس لئے میرا بچپنا اور لڑکپن ایسا ہی گزرا جیسا کسی بھی دوسرے امریکی نوجوان کا ہوتا ہے اور میں اسلام

سے بہت دور چلا گیا۔ لیکن ۱۹ سال کی عمر میں مجھے ایک بیداری کا تجربہ ہوا۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ اور اس نے جو تبدیلی دنیا میں پیدا کی مجھے یہ احساس دلایا کہ میں اپنے مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا جس مذہب کو ذرائع ابلاغ (Media) اب دنیا میں برائی کے بڑے ذریعے کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ پس میں نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کا فیصلہ کیا، جو کام میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ میں نے ابتداء سے شروع کیا۔ سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں ایسی آیتیں سامنے آئیں جو منافقوں کے طریقوں، خیالات اور بیانات کو بیان کر رہی تھیں۔ اس بیان نے مجھے حیرت زدہ کر دیا کیونکہ یہ تو مکمل طور پر مجھے، میرے طریقوں، میرے خیالات اور میرے الفاظ کو بیان کر رہا تھا۔ یہ ایسے تھا جیسے کسی نے میرے خیالات کو لکھ کر محفوظ کیا ہوا تھا۔ اس چیز نے مجھے ڈرا دیا اور مجھے دین کو نظر انداز کرنے کی غلطی کا احساس دلایا۔ پس میں نے توبہ کرنے اور بہترین مسلمان بننے کی کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جوں وقت گزرا میری ملاقات کچھ مضبوط مسلمان دوستوں سے ہوئی جن کا مجھ پر مضبوط اثر ہوا۔ اُن میں سے کئی نے دین سیکھنے کے لئے اسلامی ممالک کا سفر کرنے کا تذکرہ کیا۔ یہ خیال میرے لئے بھی بہت کشش والا تھا، لیکن میں جانتا تھا کہ میرا والد صاحب کبھی یہ چیز کرنے کے لئے میرا ساتھ نہیں دے گا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ مجھے امریکہ چھوڑ کر اسلامی سرزمین میں مسلمانوں کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے خواہ مجھے عالم نہیں بھی بننا تھا۔ اُس وقت میں کالج کے دوسرے سال میں تھا اور کالج کی فضا ایمان کے لئے مکمل تباہ کن تھی۔ طلبا کی صرف پارٹیاں کرنے میں بھی دلچسپی تھی۔ قرآن کہتا ہے کہ لوگ کیسے جانور ہو جاتے ہیں بلکہ اُس سے بھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں یہ بات تھی۔ اس فضا سے بھاگنے اور اپنے دین کو درست کرنے کی خواہش نے میرے اسلامی ملک کی طرف جانے کو ضروری کر دیا۔ میں نے اپنے والد صاحب کے ساتھ معاہدہ کیا کہ میں پاکستان جاؤں گا اور اسلام کے بجائے وہاں ڈینٹسٹری (BDS) پڑھوں گا۔

پاکستان کو میں نے ایک ایسی جگہ پایا جہاں اسلام معاشرے میں اتنا پختہ گڑھا ہوا ہے کہ اس کو دور کرنا مشکل ہے۔ مجھے داڑھی بڑھانے اور اسلامی لباس پہننے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ عورتیں سختی سے پردہ کرتی ہیں اور اُن کا بڑا وقار اور عزتِ نفس ہے۔ میں نے ایک مضبوط خاندانی نظام پایا، ایسا نظام کہ ایک آدمی اپنے چند سال بڑے بھائیوں کا پورا احترام کرتا ہے جتنا کہ ایک امریکی ماں باپ کا بھی نہیں کرتا۔ مجھے اذان کی آواز پسند آنے لگی، بلکہ درحقیقت میرے چھوٹے سے گاؤں میں بھی میں ہر نماز کے لئے دس اذانیں سن سکتا تھا۔ یہ امریکہ کی زندگی سے مخلف تھا جہاں قریب ترین مسجد آدھے گھنٹے کی گاڑی کی مسافت پر تھی۔

جوں میرا وقت زیادہ گزرا میں یہاں کے مذہبی کاموں سے، جو علم اور دعوت کی شکل میں ہو رہے تھے، متاثر

ہوا۔ ہر جگہ مدارس تھے، لوگ اُن کی اور جو علم وہاں پڑھایا جاتا ہے اُس کی قدر کرتے تھے۔ چند مہینے بعد میں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ شامل ہونا شروع کر دیا۔ میرا پہلا تجربہ رائیونڈ کا سہ روزہ سفر تھا۔ یہاں ساری دنیا کے لوگ جمع تھے اور ان کا مقصد محض اللہ کی رضا تھا۔ میں وہاں کی سادہ خوراک اور سادہ طرزِ زندگی سے متاثر ہوا، میں ان کی انتظامی ترتیب سے بھی بہت متاثر ہوا کہ کس طرح جماعتیں تشکیل کر کے ساری دنیا کو بھیجی جا رہی تھیں۔ لیکن جو یہ تنظیم کر رہے تھے وہ بوڑھے باریش آدمی ہوتے جن کے ہاتھ میں کاپیاں ہوتی تھیں۔

میرے بعد کے تبلیغی دوروں میں مجھے مسجد کے ساتھ خصوصی لگاؤ اور محبت ہوگئی۔ مسجد میں کچھ وقت دعوت کو سنتے بولتے اور باہر کی دنیا کے بارے میں نہ سوچنے سے میرے دل میں بہت سکون پیدا ہوا۔ یہ بات دلچسپی سے قابل توجہ ہے کہ امریکہ میں میرے تبلیغ کے ساتھ تجربہ میں مجھے کبھی ایسے جذبات محسوس نہیں ہوئے اور میرے وہاں گزارے ہوئے وقت نے مجھے بالکل تبدیل نہیں کیا۔ اس سے مجھے وہ بات یاد آئی جو مجھے وہاں کے ہمارے امام صاحب نے بتائی کہ جب پاکستان سے بزرگ امریکہ آتے ہیں تو وہ زمین کو اللہ کے ذکر کا بہت زیادہ پیاسا پاتے ہیں۔

بعد میں کچھ دوستوں کے ذریعے مجھے سلسلۂ تصوف کی خبر ہوئی جس کی بنیاد پشاور یونیورسٹی میں ہی تھی، جہاں میں رہتا ہوں۔ میں نے اُن کی مجالس میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ میں وہاں لوگوں کے اخلاق سے بہت متاثر ہوا۔ جب میں نے اُن کی آنکھوں کو دیکھا تو میں نے اُن میں کبر، خود غرضی اور حسد نہ دیکھا، بلکہ اُن کی آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ بہت فکر مند ہیں مگر اس دنیا کے لئے نہیں، وہ آخرت کی زندگی کی تیاری اور تصور میں ڈوبے نظر آئے۔ جب میں اُن کی مجالس میں بیٹھا تو میں نے بھی ایسے ہی خیالات محسوس کرنا شروع کر دئے۔ میں اپنی دنیاوی سے اس پریشانی کی وجہ سے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور کیسے پیش ہوں گا غمگین ہوگیا۔ اُن کے ذکر کے دوران میں نے روحانی عروج اور ترقی بھی محسوس کی۔ میں نے محسوس کیا کہ میری اصلاح کے لئے اور بروز قیامت اچھا مقام حاصل کرنے کے لئے بہترین طریقہ ایسے لوگوں اور ایسے ماحول میں ایسے رہنما کے ساتھ ہوگا جو ترتیب کے ساتھ سکھائے کہ میں اپنی کمیوں پر کیسے قابو پاؤں۔ میں اب بھی اپنی منزل سے بہت دور ہوں لیکن کم از کم مجھے اُمید ہے کہ میں صحیح راستے پر ہوں اور صحیح سمت کو سفر کر رہا ہوں۔

جس سلسلے کی میں بات کرتا ہوں وہ سلسلہ چشتیہ ہے۔ یہ محترم ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ کے زیر نگرانی اور رہنمائی میں ہے جو محترم مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں، جن کا سلسلہ بہت مشہور حضرت حکیم الامت، مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ جو رسالہ آپ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے یہ اس سلسلہ کا نمائندہ رسالہ ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ کو بھی اس سے فائدہ ہو۔ آمین!

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (چوبیسویں قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دارالعلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ کی تواضع: (پیدائش ۱۸۷۹ء، وفات ۱۹۵۷ء)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا جو مقام ہوگا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن جو لوگ ان کے احوال سے کچھ بھی واقف ہیں وہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں کسی عالم دین اور کسی روحانی پیشوا کو جو بڑی سے بڑی عظمت و وجاہت، بلندی و برتری حاصل ہو سکتی ہے اللہ کے فضل سے وہ حضرت مدنیؒ کو حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند جیسی باعظمت دینی درسگاہ کے وہ صدر اور شیخ تھے، ہزاروں عالم (جو اپنی اپنی جگہ اپنے حالات کے مطابق کسی نہ کسی دینی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور ان میں سے بہتوں کے خاصے وسیع وعریض حلقے ہیں) ان کے شاگرد اور فدائی، ہندوستان کے طول وعرض میں ان کے لاکھوں مریدین، ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کی عظیم قربانیوں کے طفیل ملک کے اہل حکومت وسیاست کی نگاہ میں ان کا خاص مقام اور حکومت کے اونچے اونچے عہدہ داروں کی نگاہ میں ان کا غیر معمولی احترام۔۔۔ان ساری عظمتوں اور بلندیوں کے باوجود ان میں تواضع اور انکساری اس قدر تھی کہ جن لوگوں کو قریب رہنے اور برتنے کا موقع نہ ملا ہو وہ کبھی اندازہ نہیں لگا سکتے بلکہ یہ عاجز اس موقع پر صفائی کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہے کہ بعض اوقات راقم سطور کو خیال ہوتا تھا کہ حضرت کا اتنی تواضع شاید دوسروں کے لئے مضر ہو۔ اس سلسلہ میں بھی خود اپنے ساتھ گزرے ہوئے بعض واقعات ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔

تواضع کی انتہا:

۱۹۴۳ء کی بات ہے میری طالب علمی ہی کا زمانہ تھا ہمارے وطن سُنبھل کے ''مدرسہ الشرع'' کی طرف سے خاصے بڑے پیمانے پر ایک جلسہ ہوا۔ اس میں جماعت دیوبند کے اس وقت کے اکثر اکابر علماء مثلاً حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ دیوبندی) نے شرکت فرمائی تھی، حضرت مدنیؒ بھی تشریف لائے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم اور جلسے کے منتظمین کی اجازت سے ایک دن دوپہر کے کھانے کا انتظام میرے والد ماجدؒ نے اپنے یہاں کیا تھا۔ جلسہ گاہ

اوران حضرات کے قیام گاہ سے ہمارے مکان کا فاصلہ ایک میل سے کچھ زیادہ تھا اس لئے سب مہمانوں کو سواری کے ذریعہ لانے کا انتظام کیا گیا تھا اور سب حضرات سواری ہی سے آئے لیکن حضرت مدنیؒ نے سنبھل کے اپنے ایک پرانے شاگرد اور نیاز مند کو بطور رہنما ساتھ لے کر خاموشی سے ہمارے گھر پیدل تشریف لائے، حالانکہ موسم گرما تھا اور بارہ بجے کے بعد کا وقت تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا فاصلہ میل بھر سے بھی زیادہ تھا۔

سنبھل کے اسی سفر میں ہمارے یہاں کے ایک صاحب نے جو بیچارے علمی، دینی، دنیاوی کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے تھے اور حضرتؒ سے ان کا کوئی تعارف بھی نہیں تھا، حضرت مدنیؒ سے درخواست کی کہ میرے گھر پر چل کر چائے پیجئے۔ مجھے یاد ہے کہ ان کی یہ بات سب کو کچھ عجیب سی معلوم ہوئی لیکن حضرتؒ نے بغیر کسی عذر و معذرت کے قبول فرمالیا اور ان کے ساتھ ان کے گھر پر جا کر بالکل بے وقت چائے اور صرف چائے پی لی۔

خادم کے لئے بیت الخلا صاف کر دیا:

ایک اور عجیب واقعہ سنئے۔ حضرت کے ایک شاگرد نے خود اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرتؒ ریل کا ایک سفر فرمارہے تھے اور یہ صاحب خادم کی حیثیت سے حضرتؒ کے ساتھ تھے۔ انہیں استنجاء کا تقاضا ہوا، بیت الخلا کا دروازہ کھولا تو اس کو بہت غلیظ اور گندہ دیکھ کر واپس آگئے اور اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مدنیؒ تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھے اور بیت الخلا میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ چند منٹ بعد باہر تشریف لائے اور اپنے خادم سے کہا کہ اب چلے جاؤ۔ انہوں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرتؒ ان کی واپسی کی وجہ محسوس کر کے بیت الخلا صاف کرنے ہی کے لئے اندر تشریف لے گئے تھے اور جب لوٹے بھر بھر کے بہت سا پانی بہا دیا اور اس کو صاف کر دیا تو باہر تشریف لائے۔۔۔ کچھ حد ہے اس تواضع اور بے نفسی کی۔

یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے:

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت مدنیؒ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ سٹیشن پر شرفِ زیارت کے لئے گئے۔ حضرتؒ کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف (جھنگ) دیوبند تک ساتھ گئے، ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کو ضرورتِ

فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لئے گئے اور اُلٹے پاؤں بادلِ ناخواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مدنیؒ سمجھ گئے فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں اِدھر اُدھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر بیت الخلا گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور ہندو سے فرمانے لگے کہ جایئے بیت الخلا تو بالکل صاف ہے۔ نوجوان نے کہا حضرت میں نے دیکھا پاخانہ بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اُٹھا اور جا کر دیکھا پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے۔

راقم الحروف کو یہ بات بھی پہنچی ہے کہ اسی واقعہ کو دیکھنے پر یا اس طرح کے کسی دوسرے موقع پر اسی ڈبہ میں خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم بھی تھے۔ ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ حسین احمد مدنیؒ ہیں، تو خواجہ صاحب مرحوم بے اختیار ہو کر حضرت مدنیؒ کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ حضرتؒ نے جلدی سے پاؤں چھڑائے اور پوچھا کیا بات ہے؟ تو خواجہ صاحب نے کہا کہ سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیئے اور برا بھلا کہا، اگر آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔ حضرتؒ نے فرمایا: میرے بھائی میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا اور وہ سنت یہ ہے کہ حضورؐ کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا، صبح جلدی اُٹھ کر چلا گیا۔ جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے واپس آیا تو دیکھا کہ حضور ﷺ بہ نفس نفیس اپنے دستِ مبارک سے بستر دھو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۵۱۴)

مٹی کا جسم جب تک چلتا رہے کام لینا چاہئے:

مولانا منظور احمد نعمانیؒ لکھتے ہیں: کئی سال کی بات ہے حضرتؒ کے ضعفِ پیری اور بعض دوسری اہم مصلحتوں کی بنا پر حضرتؒ کے چند نیاز مندوں نے (جن میں یہ عاجز بھی شامل تھا) باہم مشورہ کر کے ایک دفعہ حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت! اب صرف وہ سفر فرمایا کریں جس کی کوئی خاص ضرورت اور اہمیت ہو اور یہ جو ہو رہا ہے کہ لوگوں کی معمولی معمولی مقامی ضرورتوں اور جلسوں کے لئے ہر ہفتے میں جمعہ کے دن کا سفر تو ضرور ہی ہوتا ہے یہ سلسلہ اب بند فرما دیا جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا میں کیا کروں لوگ آ جاتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ اگر حضرت طے فرما لیں کہ اس سلسلہ کو بند کرنا ہے تو تھوڑے عرصہ تک تو ایسا ہوگا کہ لوگ آئیں گے اور حضرتؒ کے انکار فرما دینے پر مایوس واپس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد عام طور سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرتؒ نے اب یہ فیصلہ فرما لیا ہے تو پھر اس غرض سے لوگ آیا بھی نہیں کریں گے۔ فرمایا مجھ سے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ کے بندے آئیں اور وہ کہیں چلنے کے لئے اصرار کریں اور میں انکار پر جما رہوں۔ عرض کیا گیا کہ حضرتؒ کی صحت اور حضرت کا وقت بہت قیمتی ہے اس کو

صرف ضرورت اور موقع پر صرف ہونا چاہئے۔ حضرتؒ نے خاکساری اور تواضع میں ڈوبے ہوئے لہجے میں فرمایا آپ لوگ یہ کیا کہتے ہیں میں کیا ہوں اور میری کیا قیمت ہے؟ یہ مٹی کا جسم ہے جب تک چل رہا ہے اس سے کام لینا چاہئے۔

اپنے نفس سے بد ظنی:

انسان علمی، سیاسی، معاشی اور سماجی حیثیت سے جس قدر بھی بلند ہو ممکن ہے لیکن سیرت و کردار کی بلندیوں کی نشانی اور علامت تواضع، انکساری، کسرِ نفسی اور اپنے سے بدظنی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی زندگی بے نفسی، بے غرضی اور اخلاص سے عبارت تھی۔ چند واقعات سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ حضرت مدنیؒ کتنے متواضع اور منکسر المزاج تھے۔

سب سے بڑی کرامت:

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مزاج میں سادگی، تواضع اور فروتنی کے چشم دید حالات مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اپنے سحر انگیز قلم سے یوں رقم کئے ہیں: مولانا کی بزرگی کے قائل خوش عقیدہ حضرات جس بنا پر ہوں اپنی نظر میں تو ان کی بڑی کرامت اُن کا ایثار، انکساری، تواضع اور بے نفسی ہی ہے۔ علم و فضل، فقر و درویشی کی بحثوں کو چھوڑ دیئے لیکن جہاں تک

ے ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

کا تعلق ہے اِس دیکھنے والے کی نظر میں اپنی نظیر بس آپ ہی ہیں اور مولانا محمد علی جوہرؒ نے شعر کہا تو اپنے شیخ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے حق میں ہے لیکن صادق مولانا مدنیؒ پر ہی لفظ بلفظ آرہا ہے۔

ے ان کا کرم ہی ان کی کرامت ہے ورنہ یاں
کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی

دوسروں کو شاید کام لینے میں وہ لطف نہ آتا ہو جو اُن (مولانا مدنیؒ) کو دوسروں کا کام کر دینے میں آتا ہے۔ گھر پر آکر ملئے تو آپ کے لئے کھانا اپنے ہاتھ سے جاکر لائیں، آپ کے سامنے بستر بچھادیں، سفر میں ساتھ ہو جائیں تو دوڑ کر آپ کے لئے ٹکٹ لے آئیں قبل اس کے کہ آپ ٹکٹ گھر کے قریب جیب میں پیسے ٹٹولتے ہی رہ جائیں، ریل پر آپ کا بستر بچھائیں، آپ کے لئے لوٹے میں پانی لے آئیں، آپ کا سامان اپنے ہاتھ سے اُٹھانے لگیں۔ تین دن کے قیام دیوبند میں یہ روایتیں مشاہدہ بن کر رہیں۔ (نقوش و تاثرات) (جاری ہے)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم o

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰھِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم o

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰھِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔

[نوٹ: بندہ کے متعلقین میں سے کچھ حضرات بندہ کے لیے سرمایۂ آخرت ہیں۔انہیں میں سے جناب شبیر احمد صاحب کا کا خیل اور مفتی شوکت صاحب بھی ہیں۔ ہر دو حضرات کو دین کے مختلف موضوعات کے بارے میں تحقیق کرنے کا انتہائی انہماک حاصل ہے۔اللہ تعالیٰ اس جذبے کو قبول فرمائے اوران کی آخرت کی سرخروئی کا ذریعہ بنائے۔اوقات اسلامی کے بارے میں دونوں نے خوب عرق ریزی سے کام کیا اور اپنے اپنے مقالات اشاعت کے لیے رسالہ ''غزالی'' کو بھیجے۔یہ مقالے قسط وار شائع ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے نفع حاصل کرنے کی توفیق دے۔آمین

ڈاکٹر فدا محمد]